تفسیر بالرائے، عقیدۂ خلافت اور
خانقاہی نظام کی فکری ذمہ داریاں

(ڈاکٹر سید شمیم منعمی کی تقریر کا ایک جامع تحقیقی و کلامی جائزہ)

ترتیب و پیش کش:

اراکینِ کلکِ رضا فاونڈیشن

بریلی شریف

Kilk e Raza Foundation

Bareilly Shareef

96070-23653

www.KilkeRaza.com

زیرِ نظر علمی مقالہ عرسِ مخدومی 27 محرم 1448ھ (13 جولائی 2026) کے موقع پر ڈاکٹر سید شمیم احمد منعمی کی ایک حالیہ متنازع تقریر کا کلامی و اصولی محاسبہ ہے۔ موصوف نے سورہ آل عمران کی آیت 92 کو من مانے طریقے سے خلافتِ راشدہ پر چسپاں کر کے سنگین تفسیری اور اعتقادی تضادات پیدا کیے ہیں۔

اس مختصر لیکن جامع مضمون میں لغتِ عرب، مفسرینِ سلف کے منہج اور متواتر احادیث کی روشنی میں منعمی صاحب کے قول کو باطل ثابت کیا گیا ہے۔ مقالے میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ خلافت کوئی ذاتی ملکیت یا دنیوی مرغوب شے نہیں جسے "انفاق" (قربان) کیا جائے، اور ایسا دعویٰ کرنا خلفائے راشدین کی شان کے سراسر منافی ہے۔

مزید برآں، یہ تحریر صحیح روایات اور حضرت مخدوم اشرف سمنانی کی مستند تعلیمات کی روشنی میں مسلکِ اہل سنت کے اجماعی عقیدے کا دفاع کرتی ہے اور خانقاہوں کو ان کے اصل فکری و علمی تحفظ کے کردار کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

ڈاکٹر شمیم منعمی کی گمراہ کن تقریر سننے کیلئے اس بٹن کو دبائیں:

Play Click Here

Kilk e Raza Foundation

تفسیر بالرائے، عقیدۂ خلافت اور خانقاہی نظام کی فکری ذمہ داریاں

ڈاکٹر شمیم منعمی کی تقریر کا ایک جامع تحقیقی و کلامی جائزہ

تمہید اور پس منظر

اسلامی تاریخ میں خانقاہوں، درگاہوں اور علمی مراکز کا بنیادی کردار ہمیشہ سے عقائدِ اہلِ سنت والجماعت کی ترویج، قرآن وسنت کی درست تشریح، تزکیۂ نفس اور صحابہ کرام و اہلِ بیت عظام کی محبت و احترام کو متوازن انداز میں امت تک پہنچانا رہا ہے۔ جب تک یہ مراکز اپنے اساسی مقاصد پر کاربند رہے، امتِ مسلمہ فکری انتشار اور عقائد کی گمراہی سے محفوظ رہی۔ تاہم، حالیہ دنوں میں خانقاہِ اشرفیہ حسنیہ (سرکارِ کلاں) کے زیرِ اہتمام منعقدہ عرسِ مخدومی کے پروقار اور مقدس موقع پر ڈاکٹر سید شمیم احمد منعمی کی جانب سے کی گئی ایک تقریر نے علمی و فکری حلقوں میں شدید اضطراب اور تشویش پیدا کر دی ہے۔

خطیبِ مذکور نے اپنی تقریر میں قرآن مجید کی سورہ آل عمران کی آیت 92 لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ کو سیدنا علی المرتضیٰ

کرم اللہ وجہہ الکریم اور خلفائے ثلاثہ (سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہم) کے درمیان ترتیبِ خلافت پر منطبق کیا۔ ان کے الفاظ درج ذیل تھے:

"مولا علی کو پہچانئے، لن تنالوا البر کے آئینے میں دیکھئے، ذرا اندازہ کیجئے وہ دن کہ مولا علی کو خبر دی گئی کہ سیدنا ابوبکر صدیق خلیفہ ہو گئے! تصور کیجئے ذرا، یہ شرف کسی کو حاصل نہیں ہے، بلاشبہ خلافت ایک شرف ہے، لیکن تنفقوا مما تحبون بھی ایک شرف ہے۔
کہا: ٹھیک ہے، آپ خلیفہ ہو گئے، آپ کو خلافت مبارک ہو، ہم ساتھ ہیں۔ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔۔۔
ارے اس وقت تک نیکی نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس چیز کو تم ترک نہ کر دو جو تم کو پسند ہو۔"

انہوں نے مزید کہا کہ سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے خلیفہ بننے پر بھی حضرت علی نے "گویا زبانِ حال سے" یہی آیت پڑھی اور خلافت کو محبوب شے جان کر قربان کیا تاکہ عظیم نیکی حاصل کر سکیں۔

یہ تحقیقی مقالہ اس خطاب میں موجود تفسیری، کلامی، تاریخی اور منطقی مغالطوں کا تفصیلی اور گہرا جائزہ پیش کرتا ہے۔ اس مضمون کا مقصد

قرآنی آیات کی من مانی تاویل (تفسیر بالرائے) کے خطرات، اسلامی نظامِ خلافت کی حقیقی نوعیت، صحابہ کرام کی شانِ زہد، مسلکِ اہلِ سنت کے اجماعی عقائد کا دفاع اور خود حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کی مستند تعلیمات کی روشنی میں اس فکری کجی کا علمی محاسبہ کرنا ہے۔

تفسیری ولغوی اصولوں کی صریح خلاف ورزی

قرآنی آیت کا شانِ نزول اور لغوی مفہوم:

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ (آل عمران:92)

ترجمہ کنزالایمان:

"تم ہرگز بھلائی کو نہ پاؤ گے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو، اور تم جو کچھ خرچ کرو بے شک اللہ اسے جانتا ہے۔"

لغتِ عرب اور اصولِ تفسیر کے مطابق اس آیت میں دو کلیدی الفاظ قابلِ غور ہیں: "البر" اور "انفاق"۔

Kilk e Raza Foundation

چودہ سو سالہ تاریخِ اسلام میں تمام جید مفسرین، جن میں امام محمد بن جریر الطبری، امام قرطبی، اور امام ابن کثیر شامل ہیں، کے نزدیک "البر" سے مراد جنت، کامل نیکی، شرفِ تقویٰ یا اللہ کی رضا ہے۔ اسی طرح "انفاق" کا شرعی اور لغوی اطلاق اس مال، دولت یا شے پر ہوتا ہے جو انسان کی ذاتی ملکیت میں ہو اور وہ اسے صدقے یا قربانی کے طور پر راہِ خدا میں خرچ کرے۔

تاریخی روایات بتاتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے سب سے پسندیدہ اموال اللہ کی راہ میں قربان کر دیے۔

پہلا واقعہ: سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا سب سے قیمتی اور محبوب باغ "بیرحاء" صدقہ کر دیا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے رشتہ داروں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔

دوسرا واقعہ: سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنا پسندیدہ گھوڑا "سبل" راہِ خدا میں دے دیا۔

تیسرا واقعہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک رومی باندی آزاد

کی اور بعض روایات کے مطابق کثرت سے شکر (چینی) صدقہ کی کیونکہ وہ انہیں محبوب تھی، اور فرمایا کہ میں نے اللہ کا یہ فرمان سن رکھا ہے۔

چوتھا واقعہ: سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے حصے میں آنے والی ایک انتہائی پسندیدہ باندی کو اسی آیت کے تحت آزاد کر دیا۔

انفاقِ ملکیت بمقابلہ الٰہی امانت کی منتقلی:

ڈاکٹر صاحب نے اس آیت کا انطباق ترکِ خلافت پر کیا، جو کہ کئی اعتبار سے لغوی اور شرعی طور پر باطل ہے۔ اس خود ساختہ انطباق اور علمی حقیقت کا موازنہ درج ذیل نکات سے کیا جا سکتا ہے:

اولاً: انفاق کی بنیادی شرط ملکیت ہے۔ خطیب کا یہ ماننا کہ خلافت کو خرچ (انفاق) کیا گیا، اس علمی حقیقت کے خلاف ہے کہ خلافت امت کی امانت ہے، کسی فردِ واحد کی ذاتی جاگیر یا وراثت نہیں جسے وہ اپنی مرضی سے بطورِ خیرات "خرچ" کر سکے۔

ثانیاً: محبوب شے کی قربانی کا معاملہ ہے۔ خلافت کو ایک محبوب شے (پسندیدہ مال) قرار دینا درست نہیں، کیونکہ خلافت ایک کڑی

آزمائش اور شرعی تکلیف ہے، یہ کوئی مال یا متاعِ دنیا نہیں جسے محبوب سمجھ کر پاس رکھا جائے یا قربان کیا جائے۔

ثالثاً: البر (نیکی) کا حصول ہے۔ خلافت دوسروں کو دے کر نیکی کمانے کا نظریہ باطل ہے، کیونکہ فرض منصبی یا دینی ذمہ داری کو چھوڑنا شریعت میں نیکی نہیں بلکہ ترکِ فرض کہلاتا ہے۔

پہلا اور سب سے بنیادی علمی سوال یہ ہے کہ خلیفہ اول، دوم اور سوم کے انتخاب کے وقت خلافت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں کب اور کیسے تھی جو انہوں نے اسے "انفاق" (خرچ) کر دیا؟ جو چیز ابھی آپ کے تصرف اور ملکیت میں ہی نہیں آئی، اسے راہِ خدا میں قربان کرنے کا تصور لغوی، شرعی اور عقلی طور پر باطل ہے۔ مفسرین کے نزدیک خلافت جیسے دینی و سیاسی منصب کو "مالِ پسندیدہ" کی طرح خیرات کی چیز بنا دینا سراسر تفسیر بالرائے ہے۔

تفسیر بالرائے المذموم: شرعی وعید اور علمی خیانت

قرآن مجید کی آیات کو اپنے سیاسی، فرقہ وارانہ یا تخیلاتی مقاصد کے لیے سیاق و سباق سے ہٹ کر استعمال کرنا علمِ تفسیر کی اصطلاح میں

"تفسیر بالرائے المذموم" (ناپسندیدہ ذاتی رائے پر مبنی تفسیر) کہلاتا ہے۔احادیثِ مبارکہ میں اس عمل پر سخت ترین وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

جامع ترمذی اور سنن ابی داود میں حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ"

(جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور وہ درست بھی ہو، تب بھی اس نے غلطی کی)

ایک اور مشہور حدیثِ پاک میں صراحت ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

"مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ"

(جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے)

علمائے تفسیر، جیسے علامہ جلال الدین سیوطی اور ابن النقیب، نے تفسیر بالرائے کی پانچ اقسام بیان کی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مفسر اپنے کسی فاسد عقیدے یا نظریے کو اصل بنا لے اور قرآنی آیت کو کھینچ تان کر اس پر منطبق کرے، خواہ وہ استدلال کتنا ہی کمزور کیوں

نہ ہو۔ ڈاکٹر شمیم منعمی کا استدلال بعینہٖ اسی زمرے میں آتا ہے۔ انہوں نے تفضیلیت اور ترتیبِ خلافت کو اپنے ذہن میں اصل بنایا اور سورہ آل عمران کی آیت کو، جس کا تعلق مال کی قربانی اور انفاق فی سبیل اللہ سے ہے، زبردستی سیاسی منصب کے ترک پر چسپاں کر دیا۔

اسلاف کا طرزِ عمل اس کے بالکل برعکس تھا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جب قرآن کے ایک لفظ کے معنی پوچھے گئے تو ان پر لرزہ طاری ہو گیا اور فرمایا: "کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اور کون سی زمین مجھے پناہ دے گی اگر میں اللہ کی کتاب کے بارے میں وہ بات کہوں جو اس کی مراد نہیں ہے"۔ پس، چودہ سو سالہ تاریخِ اسلام میں کسی ایک بھی مستند مفسر، حتیٰ کہ کسی شیعہ عالم نے بھی مذکورہ آیت کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ترکِ خلافت کے معنی میں نہیں لیا۔

کلامی تضادات: خلافت "حقِ ذاتی" ہے یا "دینی ذمہ داری"؟

ڈاکٹر صاحب کے فلسفۂ خلافت کا کلامی اور عقلی تجزیہ کیا جائے تو اس میں شدید تضادات ابھر کر سامنے آتے ہیں جو ان کے اپنے ہی دعوے کو منہدم کر دیتے ہیں۔

تضادِ اول، ترکِ فرض نیکی نہیں ہوسکتا:

اہلِ سنت والجماعت، ماتریدیہ اور اشاعرہ کے متفقہ علمائے کلام (جیسے علامہ سعد الدین تفتازانی شرح عقائد نسفیہ میں اور علامہ ابن خلدون) کے نزدیک امامتِ کبریٰ یا خلافت کا قیام امت مسلمہ پر ایک فرضِ کفایہ اور الٰہی امانت ہے۔ اگر (خطیب کے مفروضے کے مطابق) خلافت سیدنا علی المرتضیٰ کا قطعی، شرعی اور الٰہی حق تھا، تو اسے چھوڑنا ایک شرعی ذمہ داری (تکلیفِ شرعی) کو ترک کرنے کے مترادف ہوگا۔

شریعتِ اسلامیہ میں فرائض، الٰہی امانتوں اور دینی ذمہ داریوں کو ترک کرنا "البر" (عظیم نیکی) نہیں کہلاتا، بلکہ یہ ترکِ فرض ہے۔ کیا اللہ کے دیے ہوئے حق اور فرض کو اپنی مرضی سے چھوڑ دینا باعثِ ثواب ہوسکتا ہے؟ خلافت کو ذاتی جائیداد یا مالی اثاثہ سمجھنا، جسے اپنی مرضی سے چھوڑا جاسکتا ہے، سراسر شیعہ امامیہ یا رافضی فکر کی عکاسی کرتا ہے جو امامت کو منصوص من اللہ ذاتی حق مانتے ہیں۔

تضادِ دوم: چوتھی بار قبولیت کا لاینحل سوال:

خطیب کا استدلال ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ

خلافت کو اس لیے چھوڑا تا کہ وہ اپنی "محبوب شے" قربان کر کے بڑی نیکی (البر) پائیں۔ یہ منطق ایک ایسے تضاد کو جنم دیتی ہے جس کا جواب خطیب کے پاس نہیں۔

اگر بقول ان کے، تین بار خلافت دوسروں کو دے کر مولا علی نے "البر" حاصل کی، تو چوتھی بار جب خلافت ان کے پاس آئی تو انہوں نے اسے کیوں قبول فرمالیا؟ کیا (معاذ اللہ) چوتھی بار وہ اس عظیم نیکی سے محروم رہنا چاہتے تھے؟ کیا ان کے نزدیک نیکی کا معیار صرف دوسروں کو حق دینے تک محدود تھا؟

یہ جاہلانہ استدلال خود مولا علی رضی اللہ عنہ کی سیرتِ طیبہ اور استقامت کے خلاف جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب چوتھی مرتبہ امت نے انہیں یہ ذمہ داری سونپی، تو آپ نے اسے کسی ذاتی رغبت یا دنیاوی محبت کی بنا پر نہیں، بلکہ فتنوں کے سدِ باب، امت کی شیرازہ بندی اور عدل وانصاف کے قیام کے لیے ایک انتہائی بھاری بوجھ کے طور پر قبول فرمایا۔

صحابہ کرام کی شانِ زہد پر قدغن اور "حبِ جاہ" کا الزام

مذکورہ تقریر کا سب سے خطرناک، زہریلا اور گستاخانہ پہلو وہ ہے

جو بظاہر نظر نہیں آتا لیکن اس کے کلامی اثرات صحابہ کرام کی عدالت و طہارت پر کاری ضرب لگاتے ہیں۔ اس استدلال کا لازمی نتیجہ خلفائے ثلاثہ (سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم) کی تنقیص اور ان پر طنز ہے۔

اگر مولا علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کو ایک "محبوب شے" سمجھ کر قربان کیا، تو منطقی اعتبار سے یہ لازم آتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ نے اس "محبوب شے" کو حاصل کیا۔ یہ اہل سنت کے اس بنیادی عقیدے کے صریح خلاف ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیا اور اس کے جاہ و منصب کے حریص نہیں تھے۔ ان نفوسِ قدسیہ کے دامن کو "حبِ جاہ" (عہدے کی محبت) کی مٹی سے آلودہ دکھانا تفضیلی ذہنیت کی وہ پہلی سیڑھی ہے جو بالآخر رافضیت کے راستے کھولتی ہے۔

خلفائے راشدین اور احساسِ مسئولیت:

یہ نظریہ کہ خلفائے ثلاثہ کے لیے خلافت کوئی "محبوب شے" تھی جس کی وہ طلب رکھتے تھے، تاریخی حقائق اور صحیح روایات کے بالکل منافی ہے۔ صحابہ کرام کے نزدیک دنیاوی مناصب مچھر کے پر کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتے تھے۔

پہلا نکتہ: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد اپنے پہلے خطبے میں واضح الفاظ میں امت کو گواہ بنا کر فرمایا تھا: " خدا کی قسم! میں نے کبھی امارت کی حرص نہیں کی اور نہ کبھی تنہائی میں یا علانیہ اللہ سے اس کا سوال کیا" (السنن الکبریٰ للبیہقی)۔

دوسرا نکتہ: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلافت کے بوجھ اور اللہ کے حضور جوابدہی کے احساس سے اس قدر لرزتے تھے کہ آپ نے اپنے وصال کے وقت فرمایا: " وددت أني خرجت منها كفافا لا لي ولا علي " (کاش میں اس خلافت سے اس طرح نکل جاؤں کہ برابر سرابر ہو، نہ مجھ پر کوئی بوجھ ہو اور نہ میرے لیے کوئی اجر ہو) آپ کا یہ قول اس بات کی روشن ترین دلیل ہے کہ ان مقدس ہستیوں نے خلافت کو کوئی محبوب شے نہیں بلکہ ایک کڑی آزمائش سمجھا تھا۔

تیسرا نکتہ: سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کے اصرار اور امت کے اتفاق پر اس عظیم بوجھ کو اٹھایا اور اسی راہ میں، امت کو انتشار سے بچانے کے لیے، اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

اگر خلافت کوئی ایسی نعمت تھی جسے چھیننا مقصود ہوتا، تو ان ہستیوں کی زندگیوں میں سادگی، زہد اور خوفِ خدا کی وہ بے مثال جھلکیاں نہ

ملتیں جو تاریخ کے اوراق میں سنہری حروف سے درج ہیں۔

"زبانِ حال" کا تصور: خطیبانہ تخیل بمقابلہ شرعی حجت

ڈاکٹر شمیم منعمی کے پاس اپنے اس انوکھے اور بے سند دعوے پر تاریخ کی کسی مستند تو کیا، کسی ضعیف روایت کا بھی کوئی ثبوت موجود نہیں تھا۔ اسی علمی افلاس کو چھپانے کے لیے انہوں نے خطیبانہ عیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک اصطلاح کا سہارا لیا اور کہا:

"حضرت علی نے گویا زبانِ حال سے کہا"۔

"زبانِ حال" اور "زبانِ قال" تصوف، ادب اور فلسفے کی اصطلاحات ہیں۔ زبانِ قال وہ ہے جو انسان اپنے منہ سے صریح الفاظ میں ادا کرے، جبکہ زبانِ حال کسی کے طرزِ عمل، کیفیت یا ظاہری حالت کی ترجمانی کا نام ہے۔

علمِ عقائد اور اصولِ تفسیر کا یہ متفقہ اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ "زبانِ حال" کسی خطیب، شاعر یا ادیب کا اپنا تخیل، وجدان یا مفروضہ تو ہو سکتا ہے، لیکن اسے قطعی عقائد، تاریخِ اسلام یا قرآنِ مجید کی تفسیر کی بنیاد ہرگز نہیں بنایا جا سکتا۔ اگر ہر واعظ کو یہ چھوٹ دے دی جائے کہ

وہ اپنے تخیل کی پرواز کو" زبانِ حال" کا نام دے کر صحابہ کرام کی طرف من گھڑت جملے منسوب کر دے، تو دین کا پورا ڈھانچہ ہی منہدم ہو جائے گا اور شریعت ایک کھیل تماشا بن جائے گی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی" زبانِ قال" کیا تھی؟

ہمیں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کیفیت کے بارے میں کسی خطیب کے تخیلاتی " زبانِ حال" کی قطعاً ضرورت نہیں، کیونکہ ان کی حقیقی" زبانِ قال" (ان کے اپنے واضح فرامین) احادیث کی مستند ترین کتابوں میں پورے تسلسل کے ساتھ محفوظ ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ (جو سیدنا علی کے صاحبزادے ہیں) کی روایت موجود ہے، وہ فرماتے ہیں:" میں نے اپنے والد (علی رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: ابوبکر۔ میں نے پوچھا: پھر کون؟ انہوں نے فرمایا: پھر عمر۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اب وہ عثمان کا نام لیں گے، تو میں نے پوچھا: پھر آپ؟ تو انہوں نے فرمایا: میں تو مسلمانوں میں سے محض ایک عام آدمی ہوں"۔

اسی طرح ایک اور متواتر روایت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے

کوفہ کے منبر پر ببانگِ دہل اعلان فرمایا: "جس شخص نے مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت دی، میں اسے مفتری (جھوٹا الزام تراشنے والا) کی سزا دوں گا اور اسے کوڑے لگاؤں گا"۔

جب شیرِ خدا اپنی زبانِ قال اور اپنے اقوالِ مستندہ سے سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت اور برتری کا برسرِ عام اعلان فرما رہے ہیں، اور برضا و رغبت ان کی خلافت کو برحق تسلیم کر کے ان کی بیعت کر رہے ہیں، تو ان کی طرف ایک من گھڑت "زبانِ حال" منسوب کرنا اور یہ تاثر دینا کہ وہ خاموشی سے اپنا حق چھنتا دیکھ رہے تھے، صریحاً علمی و تاریخی خیانت ہے۔

ترتیبِ خلافت اور ترتیبِ افضلیت: اہلسنت کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ

عقائدِ اہلسنت کی رو سے خلافتِ راشدہ کی ترتیب (اول حضرت ابوبکر، دوم حضرت عمر، سوم حضرت عثمان، چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہم) محض ایک سیاسی یا تاریخی حادثہ نہیں تھا، بلکہ یہ مشیتِ الٰہی، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اور تمام صحابہ کرام کے اجماع پر مبنی تھا۔

امامِ اہلِ سنت، مجددِ دین وملت، اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معرکۃ الآراء تصانیف "الزلال

"الانقی من بحر سبقۃ الاتقی" اور "مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین" میں قرآن مجید کی بیسیوں آیات اور سینکڑوں احادیثِ مبارکہ سے یہ قطعی طور پر ثابت کیا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس پوری امت میں انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں اور ان کی خلافت برحق تھی۔

عقیدہ طحاویہ، شرح عقائد نسفیہ اور دیگر متونِ عقائد میں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح کردی گئی ہے کہ جو شخص خلافتِ راشدہ کی اس ترتیب کا منکر ہے یا اس میں شکوک وشبہات پیدا کرتا ہے، وہ اہلِ سنت کے اجماع سے خارج ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ کا چوتھے نمبر پر خلیفہ بننا ان کی فضیلت، شجاعت یا مقام ومرتبہ میں کسی کمی کی دلیل ہرگز نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا حکیمانہ انتظام تھا جس نے امت کو اس کے مشکل ترین اور پرفتن ادوار میں ایک عظیم اور شجاع قائد فراہم کیا۔

تمام صحابہ بشمول سیدنا علی نے پہلے تینوں خلفاء کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں، جہاد میں حصہ لیا اور ان کے ادوار میں ان کے دستِ راست بن کر امورِ سلطنت اور عدلیہ میں ان کی بھرپور معاونت کی۔ اگر یہ "غصبِ حق" ہوتا تو اسد اللہ الغالب، جو حق کے لیے ہر باطل سے ٹکرا جانے کی جرأت رکھتے تھے، کبھی خاموش نہ رہتے۔

مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کی تعلیمات اور خانقاہِ اشرفیہ کا وقار

یہ افسوسناک واقعہ جس مقام پر پیش آیا، وہ حضرت سیدنا مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ مخدومِ پاک آٹھویں صدی ہجری کے عظیم صوفی، تارک السلطنت، جلیل القدر عالمِ دین اور بانیِ سلسلہ اشرفیہ تھے۔ ان کے ملفوظات کا ضخیم مجموعہ "لطائفِ اشرفی" (جسے ان کے خلیفہ حضرت نظام یمنی نے مرتب کیا) تصوف، عقائد، طریقت اور آداب کا ایک مستند ترین انسائیکلوپیڈیا تصور کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر شمیم منعمی کی تقریر حضرت سید مخدوم پاک کے اپنے عقائد کے بالکل برعکس اور ان کی تعلیمات کے منافی ہے۔ "لطائفِ اشرفی" اور "مکتوباتِ اشرفی" میں مخدوم اشرف سمنانی نے خلفائے راشدین کے مراتب اور ان کی فضیلت پر بڑی تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ انہوں نے ایک مستقل رسالہ "مناقب اصحاب کاملین و مراتب خلفا راشدین" بھی تحریر فرمایا تھا، جس میں خلفائے راشدین کی ترتیبِ فضیلت کو اہلِ سنت کے عقیدے کے عین مطابق بیان کیا گیا۔

لطائف اشرفی میں حضرت مخدوم پاک فرماتے ہیں:

" سالک واثق جب تک صداقتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ اپنائے، اس کے لیے نفع ظاہر نہیں ہوتا۔ اور سالک کو صداقتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عدالتِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ضرورت ہے"۔

اسی طرح حضرت مخدومِ پاک سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری دور میں جب اپنے مزارِ اقدس کی جگہ کا انتخاب فرمایا اور وہاں تلاوتِ قرآن اور عبادت الٰہی میں وقت گزارا، تو اسی چلہ کشی کے دوران اپنے مریدین، معتقدین اور سلسلۂ اشرفیہ کے لیے اپنا حتمی وصیت نامہ اور عقائد کا خلاصہ تحریر فرمایا، جسے تاریخ میں "رسالۂ قبریہ" کہا جاتا ہے۔

کچھوچھہ شریف اور خانقاہِ اشرفیہ کے علمی حلقوں میں یہ رسالہ عقائد کی حتمی سند مانا جاتا ہے۔

اس رسالے میں آپ نے عقیدۂ خلافت پر تمام تنازعات کا فیصلہ کرتے ہوئے واضح طور پر تحریر فرمایا کہ:

" ہم ایمان لاتے ہیں اللہ عزوجل پر اور اس کے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر، اور تمام صحابۂ کرام کی فضیلت کا پختہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور

یہ مانتے ہیں کہ تمام مسلمانوں اور تابعین میں خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ابوبکر بن ابی قحافہ (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ان کے بعد تمام صحابہ میں سب سے افضل اور خلافت کے حقدار عمر (رضی اللہ عنہ) ہیں، پھر عثمان اور پھر علی (رضی اللہ عنہم) ہیں۔"

آگے مخدومِ پاک رحمۃ اللہ علیہ اپنے معتقدین کو تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہمارے تمام فرزندوں، برادران، محبین اور معتقدین کو یاد رہے کہ ہم اسی عقیدے پر تھے، اسی پر قائم ہیں اور ہمیشہ اسی عقیدے پر رہیں گے۔"

آخر میں مزید سخت انتباہ فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"جس شخص کا مذکورہ بالا عقیدہ نہ ہو، وہ گمراہ اور زندیق ہے۔ہم اس سے بیزار ہیں اور خدا اس سے راضی نہیں۔"

قارئین بنظرِ انصاف فیصلہ کریں! جس درگاہ کے بانی کے عقائد خلفائے راشدین کی فضیلت اور ترتیبِ خلافت کے ضمن میں اس قدر پختہ ہوں، اسی درگاہ کے اسٹیج پر، ان کے عرس کے مبارک موقع پر، ان خلفاء کو دنیاوی منصب کا حریص ظاہر کرنا اور تفضیلی نظریات کو پروان

چڑھانا، دراصل اس خانقاہ کے بانی کے نظریات پر کاری ضرب اور ان کی روحانی وراثت سے انحراف ہے۔

علمی جمود اور مصلحت پسندی: خانقاہوں کے لیے لمحۂ فکریہ

اس پورے واقعے کا اصل المیہ یہ نہیں کہ ایک صاحبِ جبہ و دستار نے اسٹیج پر کھڑے ہوکر تفضیلی نظریات کا پرچار کیا، بلکہ حقیقی المیہ یہ ہے کہ خانقاہِ اشرفیہ کے سجادہ نشین، جید علماء اور جامع اشرف کے اساتذہ وہاں موجود تھے اور سب نے مصلحت کی چادر اوڑھ کر خاموشی اختیار کر لی۔ عوام نعرے لگاتی رہی اور مسلکِ حق کے ترجمان مہر بہ لب رہے۔

عوام کا ایسی پرفریب اور جذباتی تقریروں پر "نعرۂ تکبیر و رسالت" بلند کرنا تو ان کی سادگی، کم علمی اور عقیدت پر محمول کیا جا سکتا ہے، لیکن علمائے حق کا مصلحت کی چادر اوڑھ کر خاموشی اختیار کر لینا کسی المیے سے کم نہیں۔ جب مسندِ ارشاد پر بیٹھ کر عقائدِ حقہ کو مسخ کیا جا رہا ہو، تو ذاتی مروّت اور مصلحت پسندی جرم بن جاتی ہے۔ خانقاہیں دین کی تجربہ گاہیں اور عقائد کے تحفظ کے قلعے ہیں؛ اگر یہیں سے کجی اور انحراف پیدا ہونے لگے، تو عوامِ اہلِ سنت کا ایمان کون بچائے گا؟

علمائے اہلِ سنت پر لازم ہے کہ وہ غیرتِ ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسی مجالس میں خطیبوں کو بروقت ٹوکیں اور بعد ازاں تحریری و تقریری صورت میں ان فکری مغالطوں کا بھرپور علمی محاسبہ کریں۔

خلاصۂ کلام اور نتائج

مذکورہ بالا تمام علمی، کلامی، تفسیری اور تاریخی حوالوں کو سمیٹتے ہوئے اس مقالے کے حتمی نتائج درج ذیل ہیں:

اول: مذکورہ تقریر، درحقیقت قرآنی آیات کی تحریفِ معنوی پر مبنی ہے۔ سورہ آل عمران کی آیت 92 کا ترتیبِ خلافت یا ترکِ خلافت سے کوئی تعلق نہیں۔ اسے اس پر محمول کرنا صریح "تفسیر بالرائے" ہے، جو شرعاً اور عقلاً مذموم اور احادیث کی روشنی میں موجبِ عذاب ہے۔

دوم: ڈاکٹر شمیم منعمی کے قول کا منطقی اور کلامی بطلان واضح ہے۔ خلافتِ راشدہ امت کی امانت ہے، کسی کی ذاتی ملکیت نہیں۔ شریعت میں فرائض اور امانتوں کو چھوڑنا انفاق یا "البر" نہیں ہوتا بلکہ ترکِ فرض ہوتا ہے۔ لہٰذا مولا علی رضی اللہ عنہ کا خلافت کو دوسروں کو دینا (انفاق کے معنی میں) ایک بے بنیاد نظریہ ہے۔

سوم: اس میں یقیناً خلفائے راشدین کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے۔ خلافت کو ایک محبوب اور مرغوب شے قرار دے کر یہ باور کرانا کہ خلفائے ثلاثہ نے اسے وصول کیا، ان مقدس ہستیوں پر حبِ دنیا کا در پردہ اور جھوٹا الزام ہے، جو صحابہ کے مقامِ زہد و تقویٰ کے یکسر خلاف ہے۔

چہارم: اس میں زبانِ حال کا ناجائز اور گمراہ کن استعمال ہے۔ خطیب کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف ایک خیالی کیفیت کو" زبانِ حال" کے پردے میں منسوب کرنا علمی دیانت کے خلاف ہے، جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اپنی" زبانِ قال" (صحیح بخاری و دیگر احادیث) اس خیالی کیفیت کی صریح تردید کرتی ہے اور شیخین کی افضلیت کی گواہی دیتی ہے۔

پنجم: اس طرح کے نظریات کا سدِ باب ضروری ہے۔ یہ طرزِ فکر اہلِ سنت کے اجماعی عقیدے کے منافی اور اس تفضیلیت کا حصہ ہے جو بتدریج رافضیت اور رفض کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ حضرت مخدوم اشرف سمنانی کی اپنی مستند تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔

عقائدِ اہلِ سنت کے تحفظ، قرآنی تفاسیر کی پاکیزگی اور خانقاہوں کے وقار کو برقرار رکھنے کے لیے ناگزیر ہے کہ منبر و محراب کو خطیبانہ شعبدہ بازیوں اور فکری لغزشوں سے محفوظ رکھا جائے۔ خطیب مذکور کو

چاہیے کہ وہ اپنے اس غیر محتاط اور گمراہ کن بیان سے علی الاعلان رجوع کریں، اور خانقاہوں کے منتظمین کو چاہیے کہ وہ اسٹیج پر صرف ان مستند علمائے کرام کو مدعو کریں جن کا عقیدہ اور منہج قرآن و سنت، اجماعِ امت، اور اسلاف کی روشن تعلیمات کے عین مطابق ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرام اور اہلِ بیت عظام کی سچی اور متوازن محبت عطا فرمائے، عقائدِ حقہ کی حفاظت کرنے کی توفیق دے اور صراطِ مستقیم پر استقامت نصیب کرے۔ آمین۔

Kilk e Raza Foundation

نوٹ:

یہ مضمون کلکِ رضا فاؤنڈیشن، بریلی شریف کے اراکین نے ترتیب دیا ہے جسے نظر ثانی کیلیئے ذمہ دار علمائے کرام کے پاس بھیجا گیا تھا۔

اس کے باوجود اگر اس میں کوئی غلطی نظر آئے تو براہِ کرم اس نمبر پر واٹس ایپ کے ذریعے مطلع فرمائیں:

96070-23653

ڈاکٹر شمیم کی گمراہ کن تقریر سننے کیلئے اس بٹن کو دبائیں:

کلکِ رضا واٹس ایپ گروپ میں

شامل ہونے کیلئے اس بٹن کو دبائیں:

Kilk e Raza Foundation

www.KilkeRaza.com
Kilk e Raza Foundation
Bareilly Sharif
(+91) 96070-23653